جو موجودہ صورت حال ہے اور ارکان کا جو ذہنی اور تعلیمی اور اخلاقی معیار ہے ' اقبال نے اس سطح کا کبھی تصور بھی نہ کیا ہو گا۔

ڈاکٹر خالد مسعود نے زیر بحث موضوع پر بڑی محنت اور دقت نظر سے تحقیق کی ہے ۔ انھوں نے اقبال پر بعض مصری علما (سید قطب ' محمد البہی) اور بعض مستشرقین کی تنقید پر بھی بحث کی ہے ۔ انھوں نے جملہ بنیادی اور ثانوی ماخذ سے استفادہ کرتے ہوئے بحث کو آگے بڑھایا ہے ۔ ان کا انداز و اسلوب عالمانہ اور متوازن ہے ۔ گذشتہ چند برسوں سے اقبالیات میں خطبات اقبال کے مطالعے کا رجحان روز افزوں ہے ۔ زیر نظر کتاب اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے ۔ اقبال کے تصورات اجتہاد کے سلسلے میں اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے زیر نظر کتاب ان سب میں مفصل 'جامع اور اہم ہے ۔ خوش آیند امر یہ بھی ہے کہ کتاب کی ترتیب و تدوین میں مصنف نے جدید ترین تحقیقی تقاضوں کا خیال رکھا ہے اور ناشر نے اسے نہایت اچھے معیار پر شائع کیا ہے ۔ بحیثیت مجموعی یہ کتاب افکار اقبال پر مباحث میں ایک عمدہ اضافہ ہے ۔ (رفیع الدین ہاشمی)

دار اشکوہ احوال و افکار ' محمد سلیم ۔ ناشر: مکتبہ کارواں ' کچہری روڈ ' لاہور ۔ صفحات : ۱۷۲ ۔ قیمت: ۱۰۰ روپے ۔

دار اشکوہ تاریخ ہند اور مغل دور حکومت کا ایک اہم مگر متنازع کردار ہے ۔ میں اپنے اس لائق فائق بیٹے کو تخت طاؤس پر متمکن دیکھنا چاہتا تھا مگر نیرنگی زمانہ دیکھیے کہ شاہ جہاں کی تمام تر خواہشات اور کوششوں کے باوجود دار اشکوہ ناکام رہا اور فرماں روائی اورنگ زیب عالمگیر کے حصے میں آئی ۔ شہزادہ دار اشکوہ ۴۶ سال کی عمر میں قتل کر دیا گیا ۔ زیر نظر کتاب میں مقتول شاہزادے کے حالات زندگی ' اس کے علمی کام ' سیاسی حکمت عملی اور مذہبی افکار کا بڑی خوبی ' عمدگی اور مہارت کے ساتھ اور آسان زبان میں تعارف اور تجزیہ پیش کیا گیا ہے ۔

مصنف دار اشکوہ کے افکار پر اپنا تبصرہ بھی پیش کرتے ہیں اور اس حوالے سے دار اشکوہ کی خوبیاں اور خامیاں بھی نمایاں ہوتی چلی جاتی ہیں ۔ آخری باب بعنوان "شخصیت اور مذہب" ایک اعتبار سے زیر نظر مطالعے کا حاصل ہے ۔ دار اشکوہ کی شخصیت "مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی" کا مصداق نظر آتی ہے ۔ مصنف بتاتے ہیں کہ وہ بہت سی خوبیوں کا مالک تھا ۔ عالم ' فاضل ' صاحب ذوق ' ذہین ' نکتہ سنج ' شریں بیاں ' حاضر جواب ' فیاض ' لیکن طبیعت کے بعض تضادات کی وجہ سے یہ خوبیاں اس کے کام نہ آسکیں ' مثلاً وہ ان لوگوں کے لیے تحقیر کا اظہار کرتا تھا جو کسی معاملے میں اسے مشورہ دینے کی جرات کرتے ۔ شاہزادگی نے اس کے اندر ایک گونہ کج خلقی پیدا کر دی تھی ۔ وہ امرا کو دھمکیاں دیتا اور ان کے لیے نازیبا الفاظ استعمال کرتا ۔ لوگوں سے غرور اور تکبر سے پیش آتا ۔ چونکہ

شاہ جہاں کا سب سے لاڈلا تھا اس لیے اس کے اندر خود سری اور خوشامد پسندی راسخ ہوگئی تھی۔ اختلاف رائے اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ اس چیز نے اعیان سلطنت کو اس سے دور اور بد اعتماد کر دیا۔ شاہ جہاں کی نصیحتوں کے باوجود اس نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ مصنف نے اس کی شخصیت کے ایک دلچسپ تضاد کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "ایک طرف تو دارا شکوہ صوفی ہونے کا دعوے دار ہے اور دنیا سے لاتعلقی کا اظہار کرتا ہے مگر دوسری طرف وہ ہندستان کی حکومت کا تخت و تاج اپنے سر پر رکھنے کے لیے پوری کوشش کر رہا ہے۔ ہمیں صوفیاے کرام کی پوری تاریخ میں ایک شخصیت بھی ایسی نہیں ملتی جس نے اقتدار حاصل کرنے کے لیے جنگ یا جدوجہد کی ہو۔" (ص ۱۶۳)

دارا شکوہ کی ناکامی کا ایک سبب اس کے مذہبی افکار بھی تھے۔ اس کے علم و فضل' وسعت مطالعہ' دقت نظر اور شعر و ادب اور فنون لطیفہ سے اس کے فطری لگاؤ میں کلام نہیں۔ لیکن ایک تو خود ستائی' نام نہاد لبرل ازم اور بے باک خیالات اور دوسرے اپنے مرشد ملا شاہ سے اندھی عقیدت اسے گمراہی کے اس کوچے میں لے گئی کہ اس کی ذہانت و فطانت اور نہ شخصی خوبیاں اس کے کام آسکیں۔ اور مصنف کے بقول شاہ جہاں کے مسلمان امرا بھی دارا شکوہ کو اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ وہ شاہ جہاں کے بعد بادشاہ بنے کیونکہ وہ ہندو مذہب سے اتنا متاثر ہو چکا تھا کہ اس نے نماز' روزہ اور شریعت کی طرف سے عائد کردہ دیگر ضروری فرائض ترک کر دیے تھے۔ اس کے افکار و اعمال سے یہ واضح ہو چکا تھا کہ اس کے تخت نشین ہونے پر اسلام کی نئی نئی تاویلیں ہوں گی۔ مسلمانوں کے اعتقادات پر زد لگائی جائے گی اور اکبر بادشاہ کا دور لوٹ آئے گا۔ (ص ۱۶۳)

حکیم الامت علامہ اقبال نے کیسی پتے کی بات کہی تھی۔

تخم الحادے کہ اکبر پرورید باز اندر فطرت دارا دمید

(اکبر نے الحاد کا جو بیج بویا تھا اور اس کی نشو و نما کی تھی وہ دوبارہ دارا شکوہ کی فطرت میں پھلنے پھولنے لگا۔)

ڈاکٹر محمد سلیم ایک ممتاز ماہر طبیعیات ہیں اور اس حوالے سے پنجاب یونی ورسٹی کے مختلف شعبوں سے وابستہ رہ چکے ہیں۔ ایک مختلف علمی موضوع پر ان کی یہ کاوش بہت عمدہ' دلچسپ اور قابل تحسین ہے۔ کتاب سائنٹی فک انداز میں لکھی اور تیار کی گئی ہے۔ حوالوں اور حواشی' اشاریے اور بنیادی ماخذ کا پورا اہتمام موجود ہے۔ کتاب میں دارا شکوہ کی تصانیف و خطوط کی فارسی عبارتوں کا اردو ترجمہ بھی دیا جاتا تو بہتر تھا۔ طباعت اور پیش کش کا انداز بھی معیاری ہے۔ امید ہے علمی حلقوں اور عام قارئین میں بھی گرم جوشی سے اس کتاب کا خیر مقدم ہو گا۔ (ر - ۵)